مولانا ابوالکلام آزاد اور امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری

بنتِ امیر شریعت سیدہ اُمّ کفیل مدظلہا

مولانا ابوالکلام آزادؒ سے اباجی کو بے پناہ عقیدت تھی۔ جدوجہد آزادی میں تقریباً تیس برس مولانا آزاد کی رفاقت حاصل رہی۔ مجلس احرارِ اسلام کے قیام (۱۹۲۹ء) سے پہلے کانگریس کے اسٹیج سے کئی تحریکوں میں وہ مولانا کے ہم سفر رہے۔ تحریک خلافت (۲۱۔۱۹۱۹ء) میں بہت زیادہ قربت رہی۔ وہ مولانا کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اُن کے ہم قدم ہوئے، حصولِ آزادی کے لیے مولانا کے شانہ بشانہ ہم آواز ہو کر انگریز کے غاصبانہ اقتدار کو للکارتے رہے۔ اور دہلی جیل میں مولانا کے ساتھ قید رہے۔ فرماتے:

> ''مولانا آزاد کے ''الہلال'' نے میری شریانوں میں لہو دوڑایا، میرے ذہن کو جلا بخشی اور سیاسی جدوجہد میں رہنمائی کی۔ ''احرار''، ''الہلال'' کی بازگشت ہی تو ہیں۔''

الہلال میں ''احرارِ اسلام'' کے مستقل عنوان کے تحت ''ترکانِ احرار'' کی سرگرمیاں شائع ہوتیں۔ بعض مسائل میں مولانا کے تفردات پر کسی نے اباجی سے سوال کیا کہ آپ مولانا کی رائے سے متفق ہیں؟ فرمایا:

> ''میں سیاست میں ابوالکلام کا مقلّد ہوں، فقہ میں نہیں۔ فقہی مسائل میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مقلّد ہوں۔ ہاں! معارف میں کسی کا مقلّد نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کئی لوگوں سے بہتر بات سُجھا سکتے ہیں۔''

۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم کے بعد ہندوستان کی سیاسی فضا میں ایک موت آسا سکوت طاری تھا اور مایوسیوں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ انگریزوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر لیا اور خلیفہ کو گرفتار کر کے خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ کر دیا۔ تنہا مولانا آزاد تھے جو ''الہلال'' و ''البلاغ'' میں اپنی تحریروں سے مسلمانوں کو جھنجوڑ کر خوابِ غفلت سے بیدار کر رہے تھے۔

بیعتِ امام الہند:

مولانا آزاد کا خیال تھا کہ سیاسی جمود و تعطل کو توڑنے کے لیے ہندوستانی مسلمانوں کو ایک امام کی اقتداء میں منظّم کیا جائے۔ مسلمانوں کا ایک امام ہو اور امام کی اطاعت کو وہ اپنا دینی فرض سمجھیں۔ پھر امام انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کرے۔ انھی دنوں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ تحریک ریشمی رومال کی پاداش میں مالٹا کی قید سے رہا ہو کر آئے تو مولانا آزاد کی خدمات پر انہیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا: ''ابوالکلام نے جہاد کا بھولا ہوا سبق یاد کرا دیا ہے۔''

آزادی کے متوالوں نے مولانا آزاد کو ہی امام الہند قرار دے کر اُن کے ہاتھ پر بیعتِ امامت شروع کر دی۔

ابا جی فرماتے:

اِنھی دنوں شاہی مسجد لاہور میں بہت بڑا جلسہ ہوا۔ مشہور کانگریسی اور خلافتی رہنما مولانا عبدالقادر قصوریؒ نے مولانا آزاد سے پہلے ایک تقریر کی اور آخر میں غیر مؤثر انداز میں کہا کہ..... ''لوگو! مولانا آزاد امام الہند ہیں، آپ سب ان کی بیعت کریں۔'' ابا جی فرماتے ..... میں پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔ چند منٹ انتظار کے بعد بھی بیعت کے لیے کوئی آدمی نہ اٹھا۔ مجھ سے یہ منظر دیکھا نہ گیا۔ ایک ہی جست میں اسٹیج پر پہنچا اور منتظمین سے درخواست کی کہ پانچ منٹ کے لیے مجھے تقریر کی اجازت دیں۔ چنانچہ اس مختصر تقریر میں لوگوں کو سمجھایا کہ یہ ''بیعتِ ارشاد'' نہیں ''بیعتِ امامت'' ہے۔ تم میں سے کوئی اگر کسی پیر سے بیعت ہے تو اس بیعت سے وہ بیعت متاثر نہیں ہوگی۔ پھر مولانا کی بیعت کا اعلان کیا تو ہزاروں افراد نے مولانا کے ہاتھ پر بیعتِ امامت و جہاد کی۔

مولانا آزاد کا خراجِ تحسین:

قومی جدوجہد اور تحریک آزادی میں ابا جی کے مجاہدانہ کردار اور خطابتی خدمات خصوصاً تحریک خلافت میں بے لوث خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مولانا نے فرمایا:

> ''شاہ جی! خطابت آپ کو عطیۂ الٰہی ہے۔ آپ خطابت کے سمندروں سے موتی نکال لاتے ہیں۔ قومی جدوجہد میں آپ کی خدمات پر ملک وملت کا ہر گوشہ آپ کا شکر گزار ہے۔ اللہ کے ہاں آپ کا بڑا اجر ہے۔''

مولانا آزاد سے چند یادگار ملاقاتیں:

وزارتی مشن کے دنوں میں ابا جی ایک روز مولانا سے ملاقات کے لیے گئے تو شیخ حسام الدینؒ اور شورش کاشمیریؒ ساتھ تھے۔ میر احمد حسنؒ صاحب کی موٹر میں گئے۔ مولانا' وائسریگل لاج جانے کے لیے کوٹھی کے باہر پریشان کھڑے تھے۔ ان کی موٹر سٹارٹ نہ ہو رہی تھی۔ ابا جی پہنچے تو سلام ومصافحہ کے بعد مولانا نے فرمایا کہ میں آپ کی موٹر لیے جاتا ہوں۔ ابا جی نے کہا حضرت دوش حاضر ہیں۔ فرمایا: ''میرے بھائی! وہ بوجھ تو آپ اٹھائے ہوئے ہیں''۔ کچھ دیر بعد واپس تشریف لے آئے اور گھنٹہ بھر ملاقات رہی۔ چائے بھی پلوائی۔ ''غبارِ خاطر'' چھپ چکی تھی' اس کا ایک نسخہ اپنے دستخط کے ساتھ ہدیہ کیا۔ لکھا تھا: ''برائے صدیقِ عزیز سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری''۔ اسی ملاقات میں ابا جی نے فرمایا مولانا، اللہ آپ کو عمرِ خضر عطاء فرمائے تو فرمانے لگے: ''نہیں میرے بھائی تھوڑی ہو مگر قرینے کی ہو۔'' اس سے پہلے ''تذکرہ'' اور ''ترجمان القرآن'' بھی ابا جی کو ہدیۃً ہی دی تھیں۔ ان پر لکھا تھا برائے ''محبِّ عزیز سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب'' ''غبارِ خاطر'' پر ''صدیق عزیز'' دیکھ کر میں نے کہا ابا جی اب آپ کے مرتبہ میں اضافہ ہو گیا ہے۔ ابا جی مسکرانے لگے۔ یہ تمام کتابیں تقسیم کے وقت امرتسر میں ہی رہ گئیں۔

دِلّی جیل میں مولانا آزاد کی چائے:

دِلّی جیل کا واقعہ ابا جی نے سنایا تھا۔ مولانا آزاد بھی اسی جیل میں تھے اور مولانا احمد سعید دہلوی مرحوم ومغفور بھی۔ ایک روز موقع پا کر ابا جی اور مولانا احمد سعید صاحب ملاقات کے لیے مولانا کے کمرے میں پہنچے ہی تھے کہ جیلر یا سپرنٹنڈنٹ

راؤنڈ کرتا ہوا ادھر آتا دکھائی دیا۔ مولانا نے فرمایا، میرے بھائی! آپ بیٹھیے میں انہیں ''مصروف'' کرتا ہوں۔ باہر تشریف لے جا کر اس سے گفتگو شروع فرمادی۔ پھر اس نے کیا ادھر آنا تھا' وہیں سے واپس ہو گیا۔ مولانا احمد سعید سنا ہوا ہے بڑے بے دھڑک بزرگ تھے۔ مولانا آزاد سے کہنے لگے۔ لاحول ولاقوۃ آپ کے پاس آنا تو ایسے ہے جیسے کوئی شریف آدمی دن دہاڑے ''اُس بازار'' میں پکڑا جائے۔ بے چارے مولانا یہ ریمارکس پی گئے۔ پھر چائے بنائی اور پوچھا کیسی ہے؟ اباجی نے تعریف کے ساتھ کہا۔ حضرت ایک کمی رہ گئی۔ اباجی کہتے اب مولانا سے کوئی یہ کہے کہ آپ کی چائے میں کمی رہ گئی؟ بڑی بڑی غزالی آنکھیں اٹھا کر تعجب اور حیرت سے پوچھا وہ کیا میرے بھائی؟ میں نے کہا دو پتی زعفران بھی ہوتی۔ فرمایا آپ اضافات کی بات کرتے ہیں۔ پھر کسی روز آیئے آپ کو ''مزعفر'' پلاؤں گا۔ چنانچہ ایک روز زعفرانی چائے بھی پلائی۔

مولانا آزاد کی تقریر:

۱۹۵۰ء میں ملتان میں ایک شب میں نے ریڈیو لگایا تو اچانک دِلّی لگ گیا۔ حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے عرس کی کارروائی نشر ہو رہی تھی۔ اعلان ہوا کہ مولانا آزاد تقریر فرمائیں گے۔ ان کی آواز کبھی نہ سنی تھی۔ میں بھاگم بھاگ گئی اور بیٹھک کے دروازے پر زور سے دستک دی۔ بھائی جان (مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ) آئے تو بتایا کہ مولانا آزاد کی تقریر ہونے لگی ہے۔ میرے آتے جاتے تقریر شروع ہوگئی۔ اتنا یاد ہے آیت مبارکہ وَمِنَ النَّاسِ مَن يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ پڑھی تھی۔ اباجی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ایک آہ بھری اور کہا چلو آواز ہی سن لی۔ حضرت مولانا کی تقریر میں خطابیہ جملے کچھ اس انداز کے تھے کہ ''آپ دیکھو گے''، ''آپ سنو گے'' اباجی فرمانے لگے کہ یہ ہے قلعۂ معلّٰی کی زبان اور اب ابوالکلام کے بعد یہ کون بولے گا؟

اباجی کے نام مولانا آزاد کے خطوط:

اباجی کے نام مولانا آزاد کے کئی خطوط آئے اور وہ سب امرتسر میں رہ گئے۔ تقسیم ہند کے نتیجے میں اباجی کا تمام کتب خانہ ضائع ہو گیا جس کا انھیں شدید قلق تھا۔ اتفاق سے مولانا کے تین خطوط محفوظ رہ گئے۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۴۶ء (سوائے ہوٹل مسوری)، ۱۰ فروری ۱۹۴۷ء اور ۱۳ فروری ۱۹۴۷ء۔ (دہلی)

۲۰ ستمبر ۱۹۴۶ء کا لکھا ہوا خط الیکشن سے پہلے کا ہے۔ اور یقیناً ''ضروری باتیں'' اسی سے متعلق تھیں۔ اباجی مسوری گئے تھے نہ دِلّی۔ اور مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ نے ماسوائے اباجی کے باقی حضرات کی رضامندی و علم سے ''ضروری معاملہ'' طے کر لیا تھا۔ قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور شورش کاشمیری مرحومین بھی کہتے تھے' ہم لاعلم تھے۔
(یہ ''احرار یونینسٹ انتخابی مفاہمت'' کا معاملہ تھا) واللہ اعلم بالصواب۔

۱۰ فروری ۱۹۴۷ء کے خط کا سبب ورود یہ واقعہ بنا کہ ایم۔اے۔ایس اینڈ کمپنی حبیب گنج لاہور کے مالک حاجی دین محمد صاحب مرحوم و مغفور، حضرت مولانا احمد علی رحمہ اللہ کے مرید خاص تھے اور اباجی کا بھی از حد اکرام و احترام کرتے تھے۔ بقول شورش مرحوم' انہیں لوہے کا کوٹہ درکار تھا۔ مجھے یوں یاد ہے انہیں کوئی پرمٹ درکار تھا۔ ان کے شریک کار کوئی اور

صاحب بھی تھے، جن سے ابا جی قطعاً واقف نہ تھے۔ان صاحب کو لے کر حاجی صاحب دہلی گئے اور حضرت مولانا آزاد سے ملاقات کی کوشش کی۔اتنے ہنگامی دور میں مولانا کے پاس وقت بھی نہ ہوگا۔اجمل خاں صاحب (مولانا کے پرائیویٹ سیکرٹری) سے ان حضرات نے ملاقات کا وقت مانگا، انھوں نے عذر کر دیا۔یہ بیٹھ گئے کہ وقت لے کر جائیں گے۔اجمل خاں بھی اڑ گئے اور صاف انکار کر دیا۔مایوس ہو کر یہ حضرات ابا جی کے پاس آئے اور مذکورہ واقعے کا قطعاً کوئی ذکر نہ کیا بلکہ اپنا معاملہ یوں پیش کیا کہ مولانا آپ کی سفارش مان لیں گے، آپ ہمارے ساتھ تشریف لے چلیے۔اب حاجی صاحب سے صرف سرمایہ دار ہونے کی وجہ سے تو تعلق نہ تھا۔وہ سرمایہ دار ایسے تھے کہ ان کے کارخانے میں نمازوں کے اوقات میں کام بالکل بند ہو جاتا اور حاجی صاحب معمولی ملازمین کے ساتھ جس صف میں جگہ مل جاتی کھڑے ہو جاتے اور جس روز حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تشریف فرما ہوتے، نماز کے فوراً بعد وہ ان کے جوتوں کے پاس آ کر کھڑے ہو جاتے اور حضرت مولانا جب فارغ ہوتے تو وہ جوتے اٹھا کر ان کے آگے رکھ دیتے۔ان وجوہ سے ابا جی ان کی قدر کرتے تھے۔ان کے اصرار پر ابا جی مان تو گئے مگر کہا کہ شورش کو ساتھ لے لیتے ہیں۔حاجی صاحب کو اتنی عجلت تھی کہ اس زمانے میں انھوں نے دو سیٹیں ہوائی جہاز کی ریزرو کرائیں۔ایک اپنے لیے اور ایک ابا جی کے لیے۔لیکن ابا جی نے شورش صاحب اور حاجی صاحب سے فرمایا کہ آپ لوگ ہوائی جہاز پر جائیں، میں گاڑی میں آؤں گا۔وہ اپنے کارکنوں سے یہی سلوک کرتے تھے۔شورش صاحب کی اللہ بال بال مغفرت فرمائے۔جاتے ہوئے روزنامہ ''آزاد'' میں آٹھ کالمی سرخی لگا گئے کہ:

''حضرت امیر شریعت، مولانا آزاد سے اہم مذاکرات کے لیے دہلی روانہ''

ابا جی، شورش صاحب کے بعد ریل گاڑی میں دہلی پہنچے۔وہاں سب کا قیام میر احمد حسن صاحب شملوی کے ہاں ہوتا یا دفتر احرار میں۔صبح جب مولانا کے ہاں پہنچے جیسا کہ مولانا نے تحریر فرمایا ہے، انہیں کسی کمیٹی کے اجلاس میں شرکت کے لیے جانا تھا اور بروقت تیار نہ ہو پائے تھے۔جب یہ حضرات پہنچے تو اجمل خاں صاحب نے جا کر بتلایا کہ وہی لوگ اب شاہ صاحب کو لے کر آئے ہیں۔ابا جی فرماتے کہ جب مولانا باہر آئے تو منہ پونچھتے ہوئے آ رہے تھے۔معلوم ہوتا تھا ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی آ رہے ہیں۔میں نے تو ماتھا دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ غصہ چڑھا ہوا ہے۔آج خیر نہیں۔سلام و مصافحہ کے بعد غرضِ آمد دریافت فرمائی جو ابا جی نے حاجی صاحب کی روایت سے بیان کر دی۔مولانا کا پارہ چڑھ گیا۔انھوں نے کہا میرے بھائی، یہ لوگ پہلے بھی آئے اور دھرنا دے کر بیٹھ گئے کہ ملے بغیر نہیں جائیں گے۔اس کے بعد اس سلسلے میں کچھ بھی کرنے سے انکار فرما دیا اور موٹر میں بیٹھ کر دفتر چلے گئے۔ابا جی کو بہت افسوس تھا کہ حاجی صاحب نے اخفاء کر کے بات بگاڑ دی۔دوسرے مولانا نے حد سے زیادہ ہی بے نیازی کا مظاہرہ فرمایا اور یہی ملاقات زندگی کی آخری ملاقات ثابت ہوئی۔پھر ابا جی نہ کبھی دہلی گئے نہ ملے۔حاجی صاحب سے ابا جی نے گلہ کیا کہ اگر تم نے مجھے لاہور بتا دیا ہوتا کہ تم لوگ پہلے کوشش کر چکے ہو تو میں کبھی ساتھ نہ آتا۔بعد میں مولانا کو احساس ہوا تو ۱۰ر اور ۱۳ر فروری کو یہ مکتوب لکھے۔

ایک خط میں نے امرتسر میں ابا جی کے نام دیکھا تھا۔عید کی امامت کا مسئلہ تھا۔کلکتہ کے کچھ لوگ ان سے

درخواست کرتے تھے۔انھوں نے انکارفرمایا۔غالباً دوآدمی امرتسر آئے اور ابا جی سے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ چلیے اور سفارش کیجیے۔ابا جی نے پوچھا مولانا کے علم میں ہے کہ آپ لوگ مجھے لینے آئے ہیں؟انھوں نے انکارکیا،ابا جی نہ گئے۔لیکن مولانا کومعلوم ہوگیا کہ کوئی صاحب ابا جی کو لینے گئے تھے۔مجھے خط کا اتنا فقرہ یاد ہے:

’’یوں آپ کلکتہ آئیں تو مجھ سے زیادہ خوشی کس کو ہوگی؟لیکن اس مسئلہ کے لیے نہ آئیں۔‘‘

اورابا جی تو پہلے ہی انکار کر چکے تھے۔

مولانا آزاد کے خطوط:

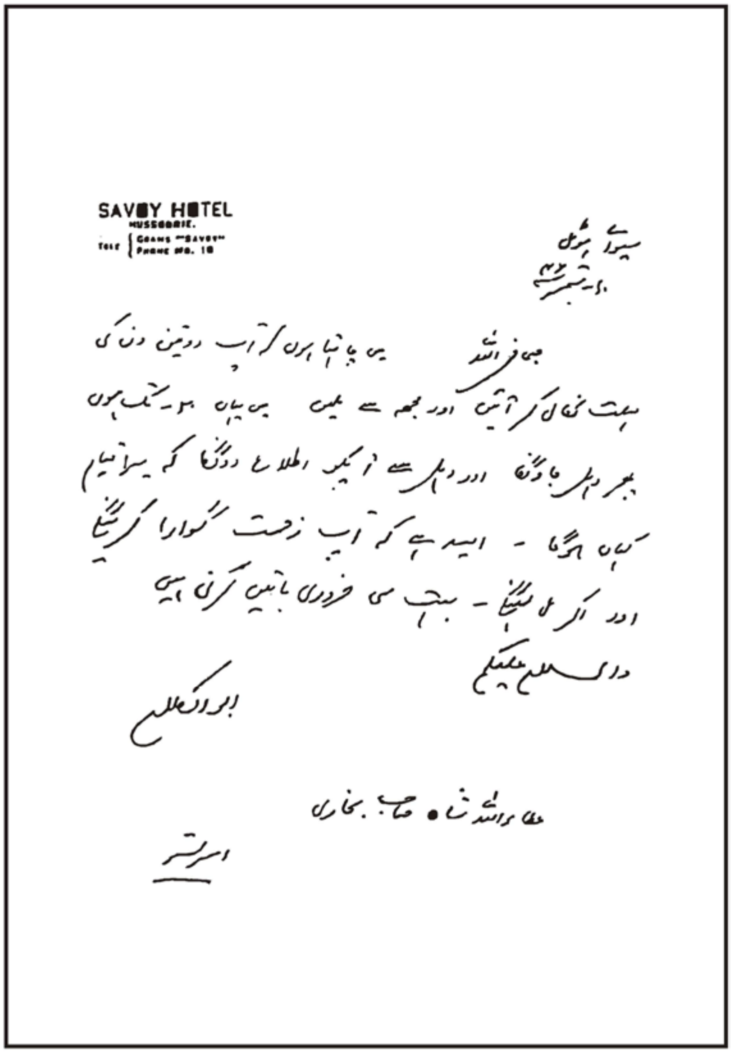

SAVOY HOTEL
MUSSOORIE.
TELE { GRAMS "SAVOY" / PHONE NO. 10

سیوائے ہوٹل
۱۰ ستمبر

حبی فی اللہ　میں چاہتا ہوں کہ آپ دو تین دن کی
مہلت نکال کر آئیں اور مجھ سے ملیں۔ میں یہاں ۱۵ تک ہوں
پھر دہلی جاؤں گا اور دہلی سے بذریعہ تحریر اطلاع دوں گا کہ میرا قیام
کہاں ہوگا۔ امید ہے کہ آپ زحمت گوارا کریں گے
اور آکر ملیں گے۔ بہت سی ضروری باتیں کرنی ہیں
والسلام علیکم
ابوالکلام

عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری
امرتسر

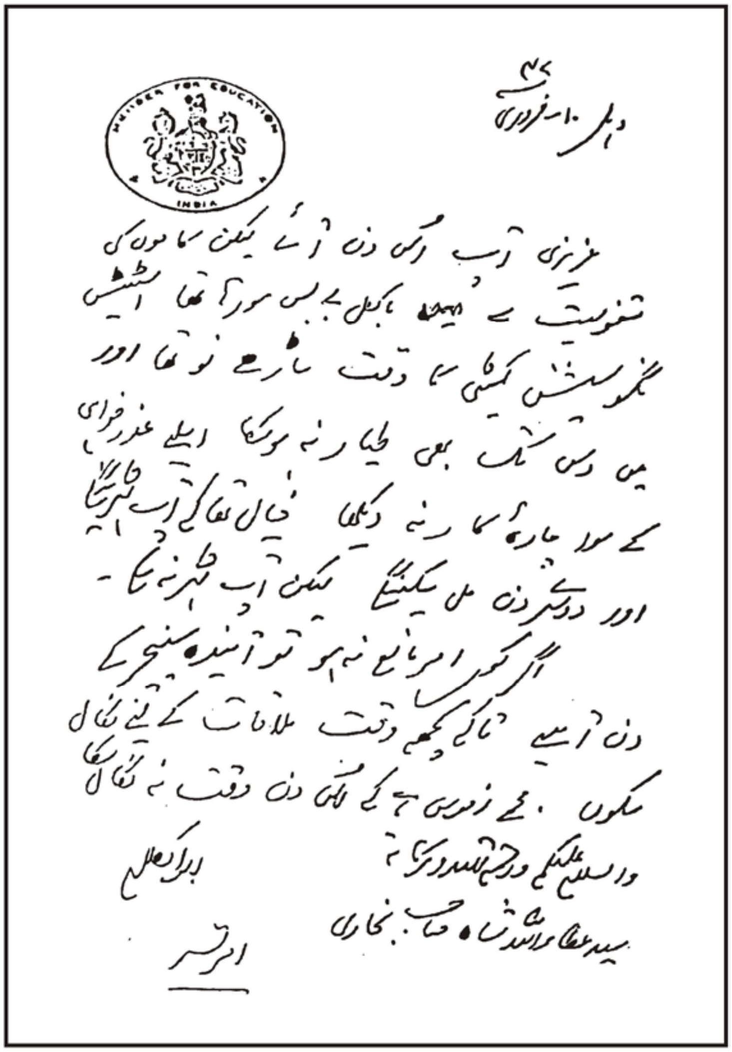

MEMBER FOR EDUCATION
INDIA

دہلی ۱۰۔ فروری ۴۷ء

عزیزی آپ اس دن آئے لیکن سماعون کی
مشغولیت سے پہلے بارہ بجے بس سوار ہوا تھا اسٹیشن
مگر سیشن کمیشن کا وقت ساڑھے نو تھا اور
میں دس تک بھی لگا رہا نہ ہو سکا اسلیے عذر خواہی
کے سوا چارہ کار نہ دیکھا خیال تھا کہ آپ ٹھہر جائیں گے
اور دوسرے دن مل سکیں گے لیکن آپ ٹھہر نہ سکے۔
اگر کوئی امر مانع نہ ہو تو آئندہ سنیچر کے
دن آ جائیے تاکہ کچھ وقت ملاقات کے لئے نکال
سکوں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس دن وقت نہ نکال سکا

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
ابوالکلام

سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری
امرتسر

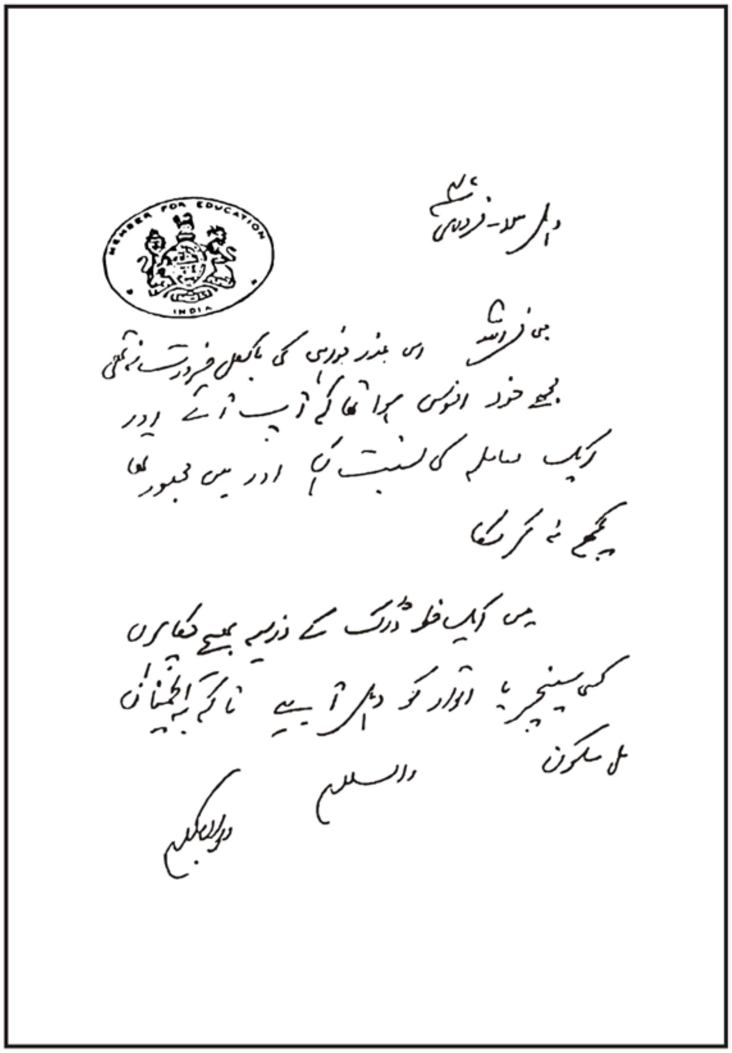
MEMBER FOR EDUCATION
INDIA

دہلی [illegible]

جناب من [illegible]
مجھے خود افسوس ہوا تھا کہ آپ آئے اور
ایک مسائل کی نسبت تھا اور میں مجبور تھا
[illegible]

میں ایک خط ڈاک کے ذریعے بھیجے دیتا ہوں
کسی سینچر یا اتوار کو دہلی آ جائیے تا کہ با اطمینان
مل سکوں

والسلام

[illegible]